سورۂ جِنّ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اس کی (۲۸) آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط ماقبل سورت کریمہ سے اس سورت شریفہ کی مناسبت و ربط کئی وجوہ سے ہے :-

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:۔ فکرت فیہ مدۃ فلم یظھر لی سوی انہ سبحانہ قال فی سورۃ نوح استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا وقال عزوجل فی ھذہ السورۃ وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقینٰھم ماء غدقا وھذا وجہ بین فی الارتباط۔ میں نے اس بارے میں عرصہ تک غور و فکر کیا تو مجھ پر یہی ظاہر ہوا کہ اللہ سبحانہ نے سورۂ نوح میں فرمایا تھا کہ تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہ بخشواؤ یقیناً وہ بڑی بخشش والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے (پانی کی) دھاریں اتاریگا" اور اس سورت شریفہ میں فرمایا کہ اگر وہ طریق حق پر قائم ہوجائیں تو ہم تم کو وافر پانی سے خوب سیراب کریں گے"۔ سورت ماقبل سے اس کے ربط کی یہ کھلی ہوئی وجہ ہے۔

۲۔ سورت سابقہ میں کفار پر جو عذاب آیا تھا اس کو یوں بیان فرمایا گیا تھا۔ مما خطیئاتھم اغرقوا فادخلوا نارا۔ "کچھ ان کی خطاؤں کے باعث وہ ڈبا دیے گئے پھر آگ میں جھونک دیے گئے" اور اس سورت شریفہ میں ارشاد ہو رہا ہے:۔ ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیھا ابدا۔ "اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو مقرر ہے اس کے لئے دوزخ کی آگ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے"

۳۔ قوم نوحؑ اصنام پرستی میں گرفتار تھی اور وہ ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر وغیرہ بتوں کی پرستش کیا کرتی تھی۔ اور قوم عرب بھی بت پرستی کیا کرتی تھی بلکہ یہی بت ان کے ہاں منتقل ہو کر آئے تھے۔ اور دونوں قوموں کی گمراہی ایک سی ملتی جلتی تھی۔ نیز حضرت نوح علیہ السلام تمام رسولوں میں پہلے صاحب شریعت رسول تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین اور اللہ سبحانہ کے آخری رسول ہیں جن کے بعد پھر کوئی نبی یا رسول نہ ہوں گے اور آپ کی شریعت تمام شرائع کی ناسخ اور قیامت تک باقی رہنے والی ہے جس کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ بہرحال اول اور آخر میں مناسبت بالکل ظاہر و باہر ہے۔

سورۂ جن سے سبق اس سورت شریفہ میں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ قوم جن باوجود

غیر جنس ہونے کے قرآن کریم سے متاثر ہو رہی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات کو قبول کرتی اور آپ پر ایمان لاتی ہے مگر قوم عرب جو جنس بشر ہے اور ان کی ہدایت کے لئے رسول بھی اسی جنس سے مبعوث ہوئے ہیں باوجود اتحاد جنس کے ان پر ایمان لانے اور ان کی ہدایات وتعلیمات قبول کرنے سے پہلو تہی کر رہی ہے۔ لہٰذا ان کو ڈرنا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا جو حشر ہوا کہیں اس کا انجام بھی اس طرح کا نہ ہو۔ وباللہ التوفیق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا 72-1
قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ 72-2 72-3
بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً
وَّلَا وَلَدًا ۙ وَّاَنَّهٗ كَانَ سَفِيْهُنَا يَقُوْلُ عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ

آپ کہئے مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے پھر کہنے لگے ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ سمجھاتا ہے نیک راہ لہٰذا ہم اس پر یقین لائے اور ہرگز شریک نہ بتلائینگے ہم اپنے رب کا کسی کو اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی

اس نے بیوی نہ بیٹا' اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا۔"

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ انطلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفۃ من اصحابہ عامدین الی سوق عکاظ وقد حیل بین الشیاطین وبین خبر السماء وارسلت علیھم الشھب فرجعت الشیاطین الی قومھم فقالوا ما لکم فقالوا حیل بیننا وبین خبر السماء وارسلت علینا الشھب فقالوا ما حال بینکم وبین خبر السماء الا شیئ حدث فاضربوا مشارق الارض ومغاربھا فانظروا ما الذی حال بینکم وبین خبر السماء فانصرف اولئک الذین ذھبوا نحو تھامۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو بنخلۃ عامدین الی سوق عکاظ وھو یصلی باصحابہ صلٰوۃ الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا لہ فقالوا ھذا واللہ الذی حال بینکم وبین خبر السماء فھنالک رجعوا الی قومھم فقالوا یا قومنا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فآمنا بہ ولن نشرک بربنا احدا فانزل اللہ علی نبیہ قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن وانما اوحی الیہ قول الجن[۱]

[۱] امام احمدؒ، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن المنذر، حاکم، طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کبار کی ایک جماعت کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت آسمانی خبریں شیاطین پر بند کردی گئی تھیں اور ان پر شہاب ثاقب برسنے لگے تھے اس موقع پر شیاطین اپنی قوم میں جاکر کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ ہم پر آسمانی خبریں بند کردی گئی ہیں اور ہم پر انگارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ قوم شیاطین نے کہا کہ یہ بندش کسی نہ کسی نو ایجاد امر کے باعث ہے۔ لہذا مشرق و مغرب کے چپے چپے کو چھان مارو اور دیکھو کہ ہمارے اور آسمانی خبروں کے مابین کیا چیز حائل ہوگئی ہے؟ (چنانچہ شیاطین تمام روئے زمین میں مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔ بہت کچھ چھان مارا کچھ پتہ نہ چلا) تہامہ یمن کی طرف جو گئے تھے جس میں حجاز مقدس بھی شامل ہے وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے جبکہ آپ بازار عکاظ کو تشریف لیجانے کے لئے مقام نخلہ میں فروکش تھے وہاں آپ اپنے اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے جب قرآن کریم سنا تو اس پر کان لگائے رکھے۔ اور خوب غور سے سنا پھر فیصلہ کرلیا کہ بخدا! یہی چیز ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے۔ وہیں سے وہ اپنی قوم کے پاس جاکر کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قراءت (قرآن) سنی جو بھلائی کی راہ دکھاتی ہے لہذا ہم اس پر ایمان لائے اب ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو کبھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے اس موقع پر

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ پر سورت قل اوحی الی نازل فرمائی اور بنی جان (جنات) نے جو کچھ کہا تھا بذریعہ وحی اس کی اطلاع آپ کو دی گئی"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول الثقلین ہیں

احادیث شریفہ سے چھ دفعہ بنی جان کے وفود خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا پتہ چلتا ہے اور مفسرین کرام نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے کہ ایسے کتنے واقعات در پیش ہوئے۔ بنی جان کے اس طرح حاضر ہونے اور آپ سے ہدایت حاصل کرنے سے یہ بھی

ھ حضرت زر بن حبیش کہتے ہیں کہ اس موقع پر جو بنی جان حاضر ہوئے تھے وہ کل سات تھے۔ جن میں "حران" کے تین اور "نصیبین" کے چار تھے۔ یہ علاقہ یمن کی بستی ہے۔ عراق میں بھی اسی نام کا ایک موضع ہے، یہاں وہ مراد نہیں۔ ایک روایت میں ان کی تعداد (۹) بتلائی گئی ہے۔ نصیبین میں رہنے والے جن شرفاء و رؤسا سے ہونا لکھا ہے۔ اور حضرت عکرمہ کی روایت ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے اور موصل کے باشندے تھے۔ بہرحال ان روایات میں جو اختلاف ہے وہ اتنا شدید ہے کہ سات اور نو یا بارہ ہزار میں کوئی نسبت ہی نہیں ممکن ہے کہ یہ سات یا نو ان کے حاکم اور افسر ہوں زمخشری لکھتے ہیں کہ یہ "شیصبان" کے علاقہ سے تھے جہاں بنی جان کی بڑی بڑی بستیاں ہیں اور ابلیس لعین کی زیادہ تر افواج یہیں کی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ثابت ہے کہ حضور اکرم مبعوث الی کافۃ الانس والجن تھے اسی وجہ سے آپ کو سید الثقلین کہتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ علامہ بوصیری فرماتے ہیں:۔

محمد سید الکونین والثقلین والفریقین من عرب ومن عجم

رہا یہ امر کہ جن حضرت سلیمن علیہ السلام کے تابع فرمان تھے یہ صرف تسخیر کی حد تک ہے جیسے ہوا اور پرندے بھی آپ کے لئے مسخر کئے گئے تھے۔ تسخیر سے آپ کا رسول الی الجن ہونا ثابت نہیں ہوتا یہ خصوصیت تمام انبیاء علیہم السلام میں صرف حضور انور کو حاصل تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بنی جان نے قرآن کریم کی کونسی سورتیں سنیں

اس موقع پر نماز فجر میں جن سورتوں کی تلاوت فرمائی گئی ان کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ سورۃ الرحمٰن تھی بعض کہتے ہیں کہ وہ سورت اقرأ باسم ربك الذی خلق تھی۔ ممکن ہے کہ پہلی رکعت میں حضور نے الرحمٰن اور دوسری میں اقرأ تلاوت فرمایا ہو۔ یہ قصۂ جن ہجرت سے تین سال پیشتر وقوع میں آیا اور واقدی کہتے ہیں کہ نبوت کے گیارھویں سال کا واقعہ ہے۔ چونکہ نبوت کے جملہ تیرہ سال تھے اس اعتبار سے اختلاف معمولی سا پایا جاتا ہے۔ لیلۃ الجن کا واقعہ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے وہ اس کے سوا ہے۔

لیلۃ الجن کا واقعہ

ہمارے امام احمد بن حنبلؓ کی مسند میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:۔ انی امرت ان اقرأ علی الجن اللیلۃ فایکم یتبعنی فاطرقوا ثم استتبعھم فاتبعہ عبداللہ بن مسعودؓ مجھے حکم ہوا ہے کہ آج کی رات میں جنی جان کو قرآن سناؤں لہٰذا تم میں سے میرے ساتھ کون ہوگا؟ یہ سنکر سبھوں نے گردنیں جھکا دیں۔ پھر دوبارہ ساتھ چلنے کے لئے دریافت فرمایا تو عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے ساتھ حاضر رہنے پر آمادہ ہوگئے۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ ولم یحضر معنا غیری فانطلقنا حتی اذا کنا با علی مکۃ دخل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبا یقال لہ شعب الحجون وخط لی خطا ثم امرنی ان اجلس فیہ وقال لاتخرج منہ حتی اعود الیک ثم انطلق حتی قام فافتتح القرآن فجعلت اری مثل النسور تھوی وسمعت لغطا شدیدا حتی خفت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغشیتہ اسودۃ کثیرۃ حالت بینی وبینہ حتی ما اسمع صوتہ ثم طفقوا ینقطعون مثل قطع السحاب الذاھبین ففرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع الفجر فانطلق الیّ۔

اس رات ہمارے سوا اور کوئی حاضر نہ تھے۔ ہم روانہ ہوئے تا آنکہ مکہ مکرمہ کے بالائی
حصے میں پہنچے اور اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھاٹی میں داخل
ہوئے جس کو شعب الحجون کہتے ہیں۔ اور میرے لئے ایک خط کھینچکر فرمایا کہ میں
اس کے اندر بیٹھا رہوں اور یہ بھی تاکید فرمائی کہ میری واپسی تک اس سے باہر نکلنا
پھر آپ تشریف لے گئے اور ایک مقام پر ٹھہر کر تلاوت شروع فرمائی۔ میں دیکھ رہا
تھا کہ گدھوں کی طرح جماعتیں وہاں پہنچ رہی تھیں۔ اور بڑا شور سنائی دے رہا تھا
مجھے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اندیشہ رہا۔ بہت ساری جماعتیں
آپ کو گھیری ہوئی تھیں جن کی گڑبڑ سے آپ کی آواز مجھے سنائی نہ دیتی تھی۔ پھر
ان کا مجمع چھٹنے لگا جیسے ابر چھٹتا ہے۔ فجر کے وقت کہیں آپ فارغ ہوئے اور
میرے پاس تشریف لائے۔"

لیلۃ الجن میں حضور کی مراجعت فرمائی فقال انمت قلت لا واللہ
یارسول اللہ ولقد هممت مرارا ان استغیث بالناس حتی سمعت
صوتك تقرع بعصاك تقول اجلسوا قال لو خرجت لم آمن علیك
ان یتخطفك بعضهم۔ آتے ہی حضور نے دریافت فرمایا کیا تم سو گئے تھے؟ میں نے
عرض کیا نہیں یارسول اللہ۔ بخدا میں نے کئی دفعہ یہ ارادہ کیا کہ لوگوں سے مدد

طلب کروں تا آنکہ آپ کی آہٹ سن پائی کہ لکڑی ٹیکتے ہوئے آپ تشریف لارہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ وہیں بیٹھے رہو۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تم جل سے باہر قدم رکھتے تو پھر تمہاری خیر نہ تھی کہ ان میں کوئی تم کو اڑالیجاتا۔"

حضرت ابن مسعودؓ کا مشاہدہ ثم قال رأیت شیئا قلت نعم رأیت رجالا سودا مستثفری ثیاب بیض قال اولئک جن نصیبین سألونی المتاع فمتعتهم لکل عظم حائل وروث وبعرة۔ فقال یا رسول اللہ یقذرها الناس فنهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یستنجی بالعظم والروث قال فقلت یا رسول اللہ وما یغنی ذلک عنهم قال انهم لا یجدون عظما الا وجدوا علیه لحمه یوم اکل ولا روثة الا وجدوا فیها حبها یوم اکلت۔ پھر فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ کالے کالے شخص سپید دھوتیاں باندھے لنگوٹیاں لگائے ہوئے۔ فرمایا وہ نصیبین کے جنات ہیں ان لوگوں نے کھانے کی خواہش کی۔ تو میں نے ہر موٹی ہڈی اور لید اور مینگنیوں کی اجازت دیدی۔ میں نے عرض کیا کہ ان چیزوں کو تو لوگ پلید کردیتے ہیں (یعنی ان سے نجاست صاف کرتے ہیں) تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمادیا کہ آئندہ ہڈی اور لید سے استنجا نہ کیا کریں۔ پھر میں نے عرض کیا

یارسول اللہ! اس سے ان کا پیٹ کیا بھریگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہڈی کو اٹھاتے ہی اس پر اس جانور کا گوشت چڑھ آتا ہے جیسا کہ اس پر تھا۔ اور یہی حال لید (اور مینگنیوں) کا ہے کہ جانور اس دن جو غلہ کھایا تھا لید (یا مینگنی) کو اٹھاتے ہی وہ غلہ وہاں نمودار ہوجاتا ہے۔ (ہڈی جنات کھاتے ہیں اور لید ان کے چوپائے۔)

ابن مسعودؓ کا استفسار فقلت یارسول اللہ سمعت لغطا شدیدا فقال ان الجن تدارت فی قتیل قتل منہم فتحاکموا الی فقضیت بینہم بالحق قال ثم تبرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اتانی فقال ھل معک ماء قلت یارسول اللہ معی اداوۃ فیہا شیئ من نبیذ التمر فاستدعاہ فصببت علی یدیہ فتوضأ فقال تمرۃ طیبۃ وماء طھور۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں بڑی گڑبڑ سنتا رہا۔ فرمایا کہ جناتوں نے اپنے ایک مقتول کا مقدمہ دائر کیا اور مجھ سے فیصلہ چاہا۔ تو میں نے حق حق فیصلہ صادر کیا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ حاجت کے لئے تشریف لے گئے پھر میرے پاس واپس آئے اور فرمایا کیا تمہارے ہاں کچھ پانی ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ساتھ ایک آفتابہ ہے جس میں کھجوروں کی نبیذ ہے' آپ نے اسی کو لانے کیلئے فرمایا۔ چنانچہ میں اس کو آپ کے دست مبارک پر ڈالتا رہا' آپ نے وضو بنایا پھر

فرمایا کھجوریں بھی پاک ہیں اور پانی بھی پاک ہے "۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے لیلۃ الجن کا ایک اور واقعہ مروی ہے۔ اس میں حضور اکرمؐ کے ساتھ کوئی نہ تھے۔ اس طرح چھ واقعات کا احادیث شریفہ سے پتہ چلتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

جن کا وجود قوم جن کا وجود قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے سوا دیگر کتب و صحف سماویہ سے بھی ثابت ہے۔ بعض فلاسفہ اپنی کوتاہ بینی کی بنا پر اس کے منکر ہیں ہم کو ان سے بحث نہیں۔ ان کے قدما بھی جن کے وجود کے قائل ہیں۔ شرائع سابقہ کے ماننے والے بھی ان کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جہاں فرشتوں کو نور سے پیدا کیا جس میں عناصر اربعہ کو دخل نہیں ہے۔ اسی طرح عناصر سے دیگر مخلوقات پیدا فرمائیں۔ انسان اور بعض حیوانات میں عنصر غالب خاک (مٹی) ہے اس لئے وہ زمین پر رہتے بستے ہیں۔ بعض حیوانات میں خلط غالب پانی ہے وہ پانی میں رہتے ہیں۔ کسی پر ہوا کا غلبہ ہے جیسے پرندے۔ لہٰذا وہ ہوا میں اڑتے رہتے ہیں۔ اور قوم جن پر نار کا غلبہ ہے۔ ارشاد باری ہے :—

بنی جان کی تخلیق وخلق الجان من مارج من نار۔ اور بنی جان کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا ہے "۔ وہ عام طور پر نظر نہیں آتے اور فرشتوں کی طرح

اپنی شکل بدلتے بھی ہیں۔ کبھی بصورت انسان نمودار ہوتے اور کبھی سانپ، بلی وغیرہ کی شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ شکل بدلنا ان کے لئے اتنا ہی آسان ہے جیسا ہم تبدیل لباس کر لیتے ہیں۔ مگر ملائکہ کے برخلاف ان میں نر و مادہ، اکل و شرب، توالد و تناسل جاری ہے۔ ان میں عقل موجود ہے۔ اور مختلف مذاہب کے پیرو ہیں۔ نیکی و بدی بھی ان میں موجود ہے۔ آپس میں جنگ، جدل اور مار کٹائی بھی ہوتی رہتی ہے، مرتے اور مارے جاتے بھی ہیں۔ زمین پر پہلے انھیں کی حکومت تھی۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد یہ ہٹا دیے گئے۔ زمین کے گوشوں میں عموماً ان کی بود و باش ہے۔ ان میں بلا کی قوت ہوتی ہے جبھی تو ایک عفریت نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ مجلس برخاست نہ ہونے تک وہ اکیلا بلقیس کا تخت اٹھا لائیگا۔ قال عفریت من الجن انا آتیك به قبل ان تقوم من مقامك تفصیل کے لئے کتاب آکام المرجان فی احکام الجان قابل دید ہے۔

جن مکلف ہیں جن مکلف ہیں۔ جو کافر ہیں وہ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور تمام کافروں کی طرح ابد الآباد عذاب پاتے رہیں گے۔ اور جو مسلمان ہیں انکے ثواب پانے کے باب میں اختلاف ہے۔ مومنین مطیعین کے باب میں جو آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ صریحہ وارد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عموم میں قوم جن بھی

داخل ہے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لھم ثواب وعلیھم عقاب یلتقون فی الجنۃ ویزدحمون علی ابوابھا۔ (روح المعانی) ان کے لئے ثواب ہے اور ان پر عذاب بھی ہے۔ وہ جنت میں مسلمانوں کو ملتے رہیں گے۔ اور جنت میں داخل ہوتے وقت ابواب جنت پر ان کا ازدحام رہیگا۔" بعض علماء نے یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ آخرت کا معاملہ دنیا کے برعکس ہوگا۔ یہاں جن کو انسان نہیں دیکھتے تھے وہاں دیکھتے رہیں گے، اور انسانوں کو جن یہاں دیکھتے تھے وہاں نہ دیکھ سکیں گے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ قوم جن کا ثواب یہی ہے کہ ان کو صرف عذاب دوزخ سے نجات ملیگی۔ پھر ان کو جنت کی مٹی بنا دیا جائے گا۔ حضرت ابو الزناد فرماتے ہیں:۔ اذا قضی بین الناس وامر باھل الجنۃ الی الجنۃ و اھل النار الی النار قیل لسائر الامم ومؤمنی الجن عودوا ترابا فعودوا ترابا فعند ذلک یقول الکافر حین یراھم قد عادوا ترابا یا لیتنی کنت ترابا۔ (عبد بن حمید، ابن شاہین) جب تمام لوگوں کا فیصلہ سنا دیا جائیگا اور اہل جنت کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ چلے جانے کا حکم ہوگا تو تمام حیوانات اور قوم جن کے مومنین کو حکم ہوگا کہ تم مٹی بن جاؤ۔ اس پر سب کے سب مٹی ہو جائیں گے اس وقت ایک ایک کافر نے جب دیکھا کہ یہ سب مٹی ہو گئے (اور عذاب سے چھوٹ گئے) تو

کہنا شروع کریگا کہ کاش! میں بھی مٹی ہو جاتا۔ یا مٹی ہی رہتا اور انسان نہ بنایا جاتا۔"
لیث بن ابی سلیم اور ایک جماعت اہل علم کا یہی قول ہے۔

بنی جان کا ثواب و عقاب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:۔ ان مؤمنی الجن حول الجنۃ فی ربض ولیسوا فیھا۔ قوم جن کے مومنین، جنت کے اطراف میدانوں میں ہوں گے۔ جنت میں نہیں رہیں گے۔" بعض بزرگوں کا قول ہے کہ وہ اعراف میں ہوں گے، جو جنت و دوزخ کے درمیان ایک مقام ہے۔ کوئی کہتے ہیں: یدخلون الجنۃ ویلھمون التسبیح والذکر فیصیبون من لذۃ ذلک ما یصیبہ بنو آدم من لذائذھم۔ وہ جنت میں جائیں گے اور تسبیح و ذکر میں مشغول رہیں گے اس سے ان کو وہ لذت حاصل ہوگی جو بنی آدم کو ان کی لذتوں سے ملتی ہوگی۔" امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔ والصحیح انھم یدخلونھا ویتنعمون فیھا بالاکل والشرب وغیرھما صحیح یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور کھانا پینا اور اسکے علاوہ ساری نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔" یہی مذہب حضرت حسن بصریؒ، امام مالکؒ ضحاکؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہم کا ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کا توقف امام نسفیؒ نے تیسیر میں لکھا ہے:۔ توقف ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ فی ثواب الجن فی الجنۃ ونعیمھم لانہ لا استحقاق

للعبد علی اللہ تعالیٰ ولم یقل بطریق الوعد فی حقھم الا المغفرۃ او الاجارۃ من العذاب واما نعیم الجنۃ فموقوف علی الدلیل۔

مومنین جن نعیم جنت سے مستفید ہونے کے باب میں امام اعظم ابو حنیفہؓ نے توقف (سکوت) فرمایا ہے اس لئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ پر بندے کا کوئی حق نہیں (جنت میں جانا فضل الٰہی پر موقوف ہے) قوم جن کے بارے میں کوئی وعدہ نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ گناہوں سے مغفرت اور عذاب سے پناہ دینے کا وعدہ ہوا ہے رہا جنت کی نعمتوں سے استفادہ وہ دلیل پر موقوف ہے" اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔ یعنی جنوں کو جنت کا وعدہ دیا جانا کہیں ثابت نہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ سورۂ احقاف کی اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے:۔ یاقومنا اجیبوا داعی اللہ وآمنوا بہ یغفرلکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم۔ (قرآن کریم کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر بنی جان نے اپنی قوم کو مخاطب کیا) اے ہماری قوم! اللہ کی طرف سے دعوت دینے والے (داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کو قبول کرو اور ان پر ایمان لاؤ تو اللہ سبحانہ تمہارے سابقہ گناہوں کو بخش دیگا اور تم کو دردناک عذاب سے پناہ دیگا" گناہوں کو بخش دینے اور عذاب سے نجات دینے سے یہ لازم نہیں کہ جنت کی

نعمتوں سے بھی سرفراز کرے۔ بہر حال حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ نے بعض دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی بنظر احتیاط سکوت و توقف فرمایا ہے۔ اقرار یا انکار نہیں فرمایا رضی اللہ عنہ۔

تفسیر آیات صدر قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ الآیۃ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امر الٰہی ہو رہا ہے کہ آپ اہل مکہ سے کہہ دیجئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پاس سے مجھے یہ معلوم کرایا گیا ہے کہ قوم جن کی ایک جماعت نے مجھے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے پا کر اس کو گوش جان سے خوب سنا۔ جب اس سے فارغ ہو کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے تو اپنا تأثر یوں بیان کیا کہ ہم نے ایک قرآن (پڑھتے رہنے اور پڑھ سنانے کے قابل کتاب کو) سنا کہ عجیب شان کی کتاب ہے۔ ہماری زبان اور ہمارے ہی محاورہ پر ہے مگر اس کی ترتیب، شیرینی، لطف بیان، فصاحت و بلاغت جاذبیت و کشش، دلوں پر تاثیر کچھ عجب شان رکھتی ہے جو دوسرے فصحاء و بلغاء کے کسی کلام میں نہیں پائی جاتی۔

یھدی الی الرشد کی تفسیر پھر اس کلام پاک کی خصوصیت یہ ہے: "یَھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ نیکی اور دانائی کی راہ بتاتا ہے" یہ بات اور کسی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ دوسروں کا کلام فصیح و بلیغ ہوتا ہے مگر اس میں فصاحت و بلاغت کے سوا اور کچھ نہیں۔ لغویات و خرافات ہوتے ہیں۔ بے نتیجہ باتیں ہوتی ہیں۔ مذاق و

بیہودگی ہوتی ہے۔ کسی کی بیجا تعریف، یا ہجو، فسق و فجور کی داستان، بے حقیقت مبالغے، تک بندی، قافیہ پیمائی، زورِ سخن، تعلّی، بلند پروازی، محض تخیل اس کے سوا کچھ نہیں۔ بہرحال جب ہم نے قرآن کریم کو بغور سنا فَاٰمَنَّا بِهٖ۔ تو ہم نے اس کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کرلیا۔" کہ اور لوگوں کے کلام کی یہ شان ہی نہیں ہوسکتی۔

لن نشرک بربنا احدا کی تفسیر اللہ سبحانہ کی توحید ہمارے دلوں میں ایسے راسخ اور مضبوط طریقہ سے جم گئی کہ اس کے برخلاف اگر لاکھ کوشش کی جائے وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔ ہم اپنے مالک حقیقی کے ساتھ جو ہماری پرورش اور تربیت کرنے والا ہے، اور درجۂ کمال تک ہم کو پہنچانا چاہتا ہے آئندہ اور کسی کو کبھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

تعالیٰ جد ربنا کی تفسیر وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا۔ اور ہمارے حقیقی مالک و آقا کی عظمت و رفعت شان کا کوئی ٹھکانا اور حد نہیں کہ کسی کی وہاں تک رسائی ہوسکے۔ یا وہم و خیال کے ذریعہ اس کا اندازہ کیا جاسکے۔ ہم اپنے توہم و تخیل میں اللہ سبحانہ کی عظمت و رفعت شان کا جو بھی تصور کریں وہ اس سے بلند اور بلند تر ہے:۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا کی تفسیر | مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا۔

ایسی پُرعظمت و بارفعت ذات نے نہ کوئی اپنی بی بی بنائی اور نہ کسی کو اپنی اولاد"۔

اس خدائے عظیم و رفیع کی عظمت و رفعت شان جب اس درجہ ہے کہ اس کی کوئی حدو انتہا نہیں وہ اپنی حد ذات میں یگانہ ہے تو بھلا اس کو صاحبہ سے کیا مناسبت؟ صاحبہ چاہتی ہے جنسیت کو، اور اللہ سبحانہ کی کوئی جنس نہیں، نیز جنسیت مقتضی ہے شرکت کی۔ اور خداوند تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں۔ پھر شرکت متلزم ہے اثنینیت اور دوئی کو۔ اور اللہ شانہ کی ذات ہے واحد جہاں دوئی کا گزر نہیں اس کے علاوہ صاحبہ کی صورت میں لازم آتی ہے احتیاج۔ اور خدائے قدوس کی ذات ہے غنی۔ بہر حال جب اس کی کوئی صاحبہ نہیں تو ولد کا کیا ذکر؟ ولد کی نفی کے دلائل پیشتر بھی گزر چکے ہیں۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ 72-4
اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ اور یہ کہ ہم میں کا بیوقوف 72-5
اللہ پر بڑھا کر باتیں کہا کرتا تھا، اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بولیں گے آدمی
اور جنّ اللہ پر جھوٹ"۔

سفیہ سے مراد یہاں امور آخرت سے ناواقف ہے گو دنیوی امور میں کتنا ہی

عقلمند اور فیلسوف ہو۔ خواہ سفیہ بطور جنس مراد لیا جائے یعنی ہمارے نادان اور بے وقوف لوگ، اللہ سبحانہ کے لئے جورو بیٹا تجویز کیا کرتے اور اسی قسم کی مشرکانہ باتیں غلط سلط منسوب کیا کرتے تھے۔ ان میں ابلیس لعین بھی داخل ہے۔ یا یہ کہ خاص ابلیس ہی سے مراد لی جائے جیسا کہ مجاہدؒ قتادہؒ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور عثمان بن حاضرؒ سے مروی ہے اور یہی قول جمہور کا ہے۔ چنانچہ مجاہد فرماتے ہیں:۔ ھوابلیس۔ (عبد بن حمیدؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتم) یعنی ابلیس لعین ہی ایسی اُلٹی سیدھی باتیں، اللہ سبحانہ کی جناب میں بکا کرتا تھا۔ نیز ہمارا خیال یہ تھا کہ انسان ہوں یا جن، اللہ سبحانہ کے خلاف کوئی جھوٹ اور غلط بات نہیں کہیں گے۔ جب دیکھا کہ بہت سارے انسان جن میں پڑھے لکھے اور عقلائے زمانہ بھی داخل ہیں۔ مثلاً یہود کہتے ہیں کہ عُزیرؑ ابن اللہ ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کہتے ہیں:۔ المسیح ابن اللہ "مسیح اللہ کے بیٹے ہیں" اور عرب کہتے تھے۔ الملائکہ بنات اللہ۔ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔" جن بھی اسی نوع کی تقریریں کیا کرتے تو ہم بھی ان کے بہکاوے میں آ گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اللہ سبحانہ کی بی بی اور بچے ہیں لیکن جب قرآن کریم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تو حقیقت حال منکشف ہوئی کہ یہ تمام باتیں لغو اور جھوٹی بکواس ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی جناب میں کمال گستاخی۔ اس لئے اس سے تائب ہو گئے۔

اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ اللہ سبحانہ کی ذات وحدہ لا شریک ہے اور وہ اپنی ہر صفت میں بھی تمام مخلوقات سے بلند و برتر ہے تو بی بی بچوں سے اس کو کیا واسطہ؟ پچھلی باتیں آخرت سے ناواقفیت کی بنا پر تھیں۔

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ 72-6

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ اور یہ کہ کتنے مرد آدمیوں میں کے پناہ ڈھونڈتے تھے

کتنے مردوں کی جنوں میں کے پھر تو وہ اور زیادہ سر چڑھنے لگے۔

آدمیوں کا جنّات کی پناہ لینا

ابو رجاء عطاردی تمیمی رح خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں:۔ بُعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد رعیت علی اھلی و کفیت مھنتھم فلما بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرجنا ھرابا فاتینا علی فلاۃ من الارض وکنا اذا امسینا بمثلھا قال شیخنا انا نعوذ بعزیز ھذا الوادی من الجن اللیلۃ فقلنا ذاک فقیل لنا انما سبیل ھذا الرجل شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فمن اقر بھا امن علی دمہ ومالہ فرجعنا ودخلنا فی الاسلام قال ابو رجاء انی لاری ھذہ الآیۃ نزلت فی وفی اصحابی۔ (ابن سعد) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت شریفہ ہوئی تو میں اپنے اہل و عیال کی نگہداشت اور انکے انتظامات سے

فارغ تھا۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو ہم اپنے گھروں سے دوڑے ہوئے نکلے۔ جنگل میں ایک جگہ شام ہوگئی تو ایسے موقع پر ہماری عادت تھی کہ ہم میں جو بوڑھا بڑا ہوتا تو وہ کہہ دیتا :۔ انا نعوذ بعزیز ھذا الوادی من الجن اللیلۃ۔ آج رات ہم اس وادی کے سردار جن کی پناہ میں آتے ہیں"۔ چنانچہ (اس رات بھی عادت کے مطابق) ہم نے یہی کہا۔ اس نوبت پر ہم سے بعض ساتھیوں نے کہا کہ یہ صاحب جو مبعوث ہوئے ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیجائے، لہذا جو کوئی اس کا اقرار کرلیتا ہے تو اس کو اپنی جان اور مال کا امان مل جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے سابقہ خیال سے رجوع کیا اور اسلام میں داخل ہوگئے۔ ابورجاءؓ کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ آیہ کریمہ میرے اور میرے ساتھیوں کے باب میں نازل ہوئی"۔

بنی جان کے شر سے استعاذہ کا طریقہ

اس باب میں ایسے متعدد واقعات منقول ہیں۔ یہاں تو کلمۂ شہادت پڑھ لینے سے امان مل جانا مذکور ہے۔ بعض روایات میں یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے :۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن برّ ولا فاجر من شر ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا ومن فتن اللیل ومن طوارق النھار الا طارقا یطرق بخیر۔ (ابونصر سجزی) میں اللہ سبحانہ کے کلمات تامات کی پناہ

لیتا ہوں جن سے نہ کوئی نیک آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ بد۔ شرارت سے ان چیزوں کی
جو زمین میں گھستی ہیں یا اس سے نکلتی ہیں' نیز شر سے ان کے جو آسمان سے اترتی یا اس پر
چڑھتی ہیں۔ نیز رات کے فتنوں اور دن کے حوادث سے مگر کوئی ایسا نیا واقعہ جو بھلائی
ساتھ لائے "۔ ایسے مواقع پر معوذتین کا پڑھ لینا بھی کافی ہے جو سب سے سہل تر اور عموماً
سب کو یاد ہیں۔ بلکہ اس کو روزانہ سوتے وقت پڑھ لینا چاہیئے۔

تنبیہ جن ہوں یا شیاطین کسی پر از خود مسلط نہیں ہوتے لیکن لوگ ان کو خود پر
مسلط کر لیتے ہیں۔ ان سے ڈرتے ہیں۔ ان کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ ان کی امداد
چاہتے ہیں تو ان کا دماغ چڑھتا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنا زور دکھانے لگتے اور سروں پر
سوار ہو جاتے ہیں۔ خود کردہ را چہ علاج۔ یہی حال فی زمانا بعض لوگوں کا سنا جاتا ہے
جو زسو' شیخ صدو' بمن' یا کسی دیو پری کی پوجا کرتے۔ ان کی نیازیں کرتے' ان سے
منتیں مرادیں مانگتے' ان کے چڑھاوے چڑھاتے اور کیا کیا خرافات کرتے ہیں۔
نعوذ باللہ من ذلک۔ دین متین اسلام کی سیدھی سادی راہ ہے جس میں توحید ہی
توحید ہے' جہاں شرک کو دخل نہیں۔ دین اسلام اختیار کرو' اس کے بتائے ہوئے طریق
(صراط مستقیم) پر چلو اور سیدھے جنت میں چلے جاؤ۔ واللہ الموفق۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ اور یہ کہ 72-7

ان (آدمیوں) کو بھی خیال تھا جیسا کہ تم کو خیال تھا کہ ہرگز نہ بھیجے گا اللہ کسی کو"۔

لن یبعث کی تفسیر پیغمبروں کی نسبت کفار ہمیشہ یہی کہتے رہے :—

مالھذا الرسول یأکل الطعام ویمشی فی الاسواق۔ ان رسول (پیغمبروں) کو کیا ہو گیا کہ یہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں"۔ یہ انسان کے کام ہیں۔ رسول نوع بشر سے نہیں ہو سکتے۔ فرشتہ ہونا چاہیے۔ جنوں کا خیال بھی یہی تھا وہ بھی اسی قسم کی تقریریں اپنی قوم میں کیا کرتے تھے کہ کوئی انسان اللہ کا رسول یا پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ مگر ان لوگوں نے جب قرآن کریم کو حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سنا کہ ایسا معجز کلام ابتداءً رسول بشر ہی سے سنا تو ان کو یقین آ گیا کہ واقعی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والسلام والثناء اللہ کے رسول ہیں جبھی تو ان پر ایسا کلام پاک نازل ہوا ہے اور ان کی سابقہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ اسی کی حکایت اس جماعت جن نے اپنی قوم سے کی اور حقیقت حال سے مطلع کیا۔

دوسری تفسیر بعث کے ایک معنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کے بھی ہیں۔ یعنی بعث بعد الموت۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یوں ہوں گے کہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار جیسا تم کرتے ہو انسان بھی منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد کسی کو بھی اللہ سبحانہ دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائیگا۔ انکی یہ غلط فہمی بھی

ایسی ہی تھی جس میں ہماری قوم بھی اب تک مبتلا تھی۔ قرآن کریم کو سننے سے یہ غلطی بھی رفع ہوگئی اس میں صاف طور پر بعث بعد الموت کو حق بتلایا گیا ہے اور متعدد مثالوں اور واقعات سے اس کو سمجھایا گیا اور دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم اس پر بھی ایمان لا چکے۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ 72-8
شُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ 72-9
يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي 72-1
الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ اور یہ کہ ہم نے ٹٹول دیکھا
آسمان کو پھر پایا اس کو بھرے ہوئے ہیں اس میں چوکیدار اور انگارے، اور یہ
ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے، پھر جو کوئی اب سننا چاہے تو پائیگا
انگار آتاک میں، اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ برا ارادہ ٹھہرا ہے زمین والوں کے حق
یا چاہا ہے ان کے حق میں ان کے رب نے راہ پر لانا۔"

آسمانی خبروں پر احتساب

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کانت الجن قبل ان یبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستمعون من السماء فلما بعث حرست فلم یستطیعوا ان یستمعوا فجاءوا الی قومھم یقولون للذین

لم يستمعوا فقالوا انا لمسنا السمآء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وهم الملائكة وشهبا وهي الكواكب وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا يقول نجما قد ارصد له يرمى به (ابن مردویہ)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پیشتر جنات آسمانی باتیں سنا کرتے تھے۔ جب بعثت مبارکہ ہوئی تو سننے کا موقع جاتا رہا۔ اب وہ اپنی قوم کے ہاں آکر ان لوگوں سے کہنے لگے جو سننے کے لئے نہیں گئے تھے کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ سارا آسمان فرشتوں کے پہرے چوکیوں سے پُر ہے اور تاروں کے انگارے تیار ہیں۔ ہم پہلے اپنے ٹھکانوں پر سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اب تاروں کے انگارے تاک لگائے ہوئے ہیں۔ (جہاں کوئی کچھ سننے کو آیا) انگاروں سے تار بھگا دیا جاتا ہے۔

آیۂ لاندری کی تفسیر ابن جریج فرماتے ہیں:۔ قالوا لاندری لم بعث هذا النبي لان يؤمنوا به ويتبعوه فيرشدوا اولان يكفروا به ويكذبوه فيهلكوا كما هلك من قبلهم من الامم والله اعلم۔ (ابن المنذر) جنات کہنے لگے ہمیں خبر نہیں کہ یہ نبی کیوں بھیجے گئے ہیں؟ کیا اس لئے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کا اتباع کریں تو نیکی کی راہ پائیں گے۔ یا اسلئے کہ اگر ان کا انکار کریں اور انکو جھٹلائیں تو ہلاک کردئے جائیں جیسا کہ ان سے پیشتر کی امتیں انکار و تکذیب کی بنا پر ہلاک

ہو چکی ہیں، حقیقت حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔"

اب کہانت نہیں رہی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا۔ کان الشیاطین لھم مقاعد فی السمآء یستمعون فیھا الوحی فاذا سمعوا الکلمۃ زادوا فیھا تسعا فاما الکلمۃ فتکون حقا واما ما زادوا فیکون باطلا (ابن ابی شیبہ امام احمدؒ، ترمذی بروایت صحیحہ، نسائی وغیرہ) آسمان پر شیاطین کے ٹھکانے اور بیٹھکیں تھیں جہاں سے یہ آسمانی وحی سنا کرتے۔ جہاں ایک کلمہ سن پایا تو ایک کو دس کر دیتے۔ وہ ایک کلمہ تو صحیح ہوتا، باقی اضافے سب جھوٹ۔" نجومیوں کا نجوم اور کاہنوں کی کہانت اسی پر موقوف تھی۔ امام زہری فرماتے ہیں:۔ ان اللہ حجب الشیاطین عن السمع بھذہ النجوم انقطعت الکھانۃ فلا کھانۃ۔ (بیہقی) اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ان ستاروں کے ذریعہ شیاطین کا سننا روک دیا تو کہانت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب کہانت کہانی بن گئی۔"

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۙ 72-11

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ 72-12

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ 72-13

بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ اور یہ کہ ہم میں سے تھے کوئی نیک، اور کوئی اس کے سوائے

ہم کئی راہوں پر بھٹے ہوئے تھے' اور یہ کہ ہمارے خیال میں آ گیا کہ ہم چھپ نہ جائینگے
اللہ سے زمین میں اور نہ تھکادیں گے اس کو بھاگ کر' اور یہ کہ جب سُن لی ہم نے
بات راہ کی' تو ہم نے اس کو مان لیا پھر جو کوئی یقین لائیگا اپنے رب پر تو نہ ڈرے گا
کسی نقصان سے اور نہ کسی زبردستی سے "

قومِ جن ماضی و حال میں یعنی قرآن کریم کو سننے سے پہلے ہم میں (قوم جن میں) کوئی نیک تھے نیکی کو پسند کرنے والے اور نیکی کی راہ اختیار کرنے والے' جنکی رہنمائی عقل اور فطرت کرتی ہے۔ یا توریت اور انجیل پر ایمان رکھتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ اور کوئی ان کے سوا بھی تھے۔ شریر الطبع' موذی' ظالم۔ دوسروں کو ستانا ہی ان کو پسند ہے نیز مختلف اہواء و خواہشات رکھتے تھے جن کے ادیان بھی مختلف تھے۔ کوئی یہودی کوئی صابئی' (ستارہ پرست یا یہودیوں میں کا ایک فرقہ) اور کوئی نصرانی' مجوسی' مشرک وغیرہ۔ جب ہدایت کا وقت قریب آیا تو یہ بات ہماری سمجھ میں آ گئی کہ تمام کائنات پر اللہ سبحانہ کی حکومت ہے۔ منشائے الٰہی کے خلاف چل کر نہ ہم زمین میں کہیں چھپ سکتے ہیں اور نہ کسی سمندر' دریا' ہوا یا آسمان میں پناہ لے سکتے ہیں۔ جہاں کہیں ہوں ہم اللہ سبحانہ کو تھکا نہیں سکتے نہ اس کو گرفتاری سے عاجز کرسکتے۔ نہ کہیں بھاگ سکتے۔ اس کے احکام بہرحال ہر مکان و زمان میں جاری ہوسکتے ہیں۔ سلطنتوں کے

مجرم اگر ایک سلطنت میں جرم کرکے دوسری سلطنت میں پہنچ جاتے ہیں تو اس لئے کہ دوسری سلطنت میں اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ حکومت الٰہیہ تمام کائنات پر جاری و ساری ہے اس سے فرار ممکن نہیں۔ ففروا الی اللّٰہ۔ دانائی اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اگر جرم صادر بھی ہوا ہے تو اللہ ہی کی طرف راہ فرار اختیار کریں اور جوار رحمت ہی میں پناہ لیں۔ اتنی بات تو پیشتر ہی سے ہماری سمجھ میں آچکی تھی۔ جب ہم نے قرآن کریم کو سن پایا کہ وہ راہ حق بتاتا ہے تو ہم نے اس کو فوراً بے چون وچرا مان لیا۔ اور جو کوئی اپنے پروردگار کا یقین رکھیگا اور اس پر ایمان لائیگا اس کو کسی حق تلفی کا اندیشہ نہ رہیگا۔ نہ اس کے ثواب میں کوئی کمی ہوگی اور نہ اس کے عذاب میں بمقابلہ جرم کے کسی طرح کا اضافہ ہوگا۔

جنات کی اپنی قوم میں تبلیغ گویا اپنی قوم کو وہ توجہ دلا رہے ہیں کہ تم بھی حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور حضور پر نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم پر ایمان لاؤ اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے رہو تو تمہاری نجات ہے۔ یہی راہ حق ہے۔ اور تقاضائے دانشمندی و دوراندیشی یہی ہے۔ جس طرح نوع بشر کے افراد آپ پر ایمان لاکر قرآن کریم کے احکام کا اتباع کر رہے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوار رہے ہیں۔ اور دنیا و آخرت کے تمام اندیشوں سے مامون و مصئون ہوئے ہیں

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ 72-14

تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ اور یہ کہ کچھ ہم میں فرمانبردار ہیں اور کچھ ہیں بے انصاف

اب جو فرماں بردار ہوئے انھوں نے ڈھونڈھ لی نیک راہ ؂

قوم جن قرآن سننے کے بعد یعنی قرآن کریم کو سننے کے بعد بھی ہم دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے ایمان کی راہ اختیار کی اور اس کے احکام کی بجاآوری میں لگے ہوئے ہیں اس کے حکم کے آگے اپنی گردنیں جھکا دی ہیں۔ اور ہم میں بعض ہیں بے انصاف، حضرت ابن عباسؓ ان آیات کریمہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔ منّا المسلم ومنّا المشرك اهوآء شتّى ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) ہم میں بعض مسلمان ہیں اور بعض مشرک، اہل ہوا۔ یعنی قاسطین (بے انصاف) دو طرح کے ہیں۔ ایک مشرک و کافر جو شیطان کے پنجے میں بالکلیہ پھنسے ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ جو ایمان تو لائے ہوئے ہیں اور احکام کے آگے اپنی گردنیں جھکا دی ہیں لیکن نفس و شیطان کے پنجے سے پوری طرح نکلے نہیں۔ سدّی کہتے ہیں:۔ الجن هم مثلكم قدرية و مرجئة ۔ (ابوالشیخ) جن بھی تمھاری طرح۔ قدریہ بھی ہیں (جو کہتے ہیں کہ انسان کو اپنے افعال پر پوری قدرت ہے) مرجئہ بھی ہیں (جو کہتے ہیں کہ صرف ایمان کافی ہے عمل کی مطلقاً ضرورت نہیں)۔ یہ بطور مثال

چند فرقوں کے نام بتائے گئے ہیں۔ اسی پر (۷۲) فرقوں کو قیاس کر لیا جائے کہ جس طرح انسان ان گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں قوم جن کا حال بھی یہی ہے۔ مگر راہ نجات بالکلیہ مسلمین یعنی انھیں کے حصہ میں آئی ہے جو ایمان لائے اور اس کے حکم کے آگے اپنی گردنیں جھکائے ہوئے احکام کی بجا آوری کر رہے ہیں۔

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کے ایندھن "۔ 72-15

قاسطون کی تفسیر بے انصاف یعنی ظالم دو قسم کے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ ایک مشرکین جو ظلم عظیم اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے ہوں۔ دوسرے وہ جو ایمان تو رکھتے ہیں لیکن ہوا پرستی میں گرفتار ہیں۔ نفس و شیطان سے آزاد نہیں ہوئے۔ یہ دونوں گروہ جہنم میں جائیں گے۔ فرق اس قدر ہے کہ مشرکین اور کفار کا عذاب دائمی ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ "اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو کبھی نہیں بخشیگا"۔ اور دوسرا گروہ دوزخ میں جائے گا۔ اور ہوا پرستی کی سزا پائے گا لیکن یہ سزا دائمی نہیں بلکہ بقدر گناہ۔ یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم یا شفاعت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بخش دے کیونکہ ارشاد ہوا ہے:۔ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء

اور شرک کے سوا دوسرے گناہ گاروں میں سے جس کو چاہے بخش دیگا"۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ 72-16

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ اور یہ 72-17

(حکم آیا) کہ اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے اُن کو پانی بھر کر۔ تاکہ اُن کو جانچیں

اس میں اور جو کوئی منہ موڑے اپنے رب کی یاد سے وہ ڈال دیگا اس کو چڑھتے عذاب میں"۔

اطاعت کے ثمرات اور سرکشی کے نتائج

یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوا کہ اگر تمام یا عام جن وانس اسلام کی سیدھی راہ، صراط مستقیم پر قائم رہتے تو ہم ان کے جی بھر پانی برساتے جس سے ان کی کھیتیاں اور باغات سرسبز ہوتے، کھانے کے لئے غلہ کی پیداوار خوب ہوتی، میووں اور پھل پھول کی فراوانی ہوتی، اور لطف زندگی حاصل ہوتا، مال و دولت کی کثرت ہوتی تاکہ ہم ان کا امتحان کریں کہ ان نعمتوں کا شکر کس طرح بجا لاتے ہیں۔ اگر شکر گزار رہیں تو مزید نعمتوں کے دروازے کھول دیں سنۃ اللہ ایسی ہی رہی ہے۔ امم سابقہ کو بھی ایسا سنا دیا گیا تھا جیسا کہ دوسری جگہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ ولو انھم اقاموا التورٰۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم۔ اور اگر یہ لوگ اپنے اپنے عہد میں توریت وانجیل اور دیگر کتب منزلہ (صحف ابراہیم

اور قرآن کریم) کے احکام کو قائم رکھتے تو ان کے اوپر سے (برسنے والے پانی) اور ان کے پاؤں تلے (پیدا ہونے والے غلوں، میووں، اور پھل پھول) سے مستفید ہوتے رہتے۔"

آیۂ لو استقاموا کی تفسیر

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے آیۂ کریمہ وان لو استقاموا کی تفسیر میں فرمایا:۔ یقول لو استقاموا علی طاعۃ اللّٰہ وما امروا بہ لاکثر اللّٰہ لھم الاموال حتی یفتنوا بھا۔ یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر لوگ اللہ سبحانہ کی طاعت پر قائم رہتے اور ان کو جو احکام دئیے گئے ہیں ان کو بجا لاتے رہتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ مال و دولت بکثرت عنایت فرماتا اتنا کہ دوسرے عش عش کرنے لگیں۔" پھر مزید یہ فرمایا:۔ واللّٰہ ان کان اصحاب محمد لکذلک کانوا سامعین للّٰہ مطیعین لہ ففتحت علیھم کنوز کسری وقیصر ففتنوا بھا فوثبوا بامامھم فقتلوہ (عبد بن حمید) قسم بخدا کہ حضرت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب یقیناً ایسے ہی تھے جو اللہ سبحانہ کے احکام و ہدایات بگوش جان سنتے جاتے پھر ان کی بجا آوری میں لگے رہتے تھے۔ جس کی بدولت، اللہ سبحانہ نے کسریٰ و قیصر کے خزانے ان پر کھول دیے جس پر دوسرے عش عش کر رہے تھے۔ پھر کیا ہوا کہ بعد والے اپنے ہی امام پر حملہ آور ہو کر ان کو قتل کر ڈالا۔" یہ حضرت خلیفہ سوم سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے بعد مسلمانوں کو ایسا امن و چین پھر کبھی نصیب نہ ہوا۔

عدم استقامت کے نتائج جنگ جمل، معرکۂ صفین، قتال خوارج، حضرت خلیفۂ برحق سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پھر امام مسموم حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ وعلی جدہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شہادت، واقعہ فاجعہ کربلا، قتال حرہ، اور تیاری قتال ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یہ سب اہم اہم حوادث وواقعات وقوع میں آئے۔ جو تلوار کفار واعداء اللہ پر چمکتی تھی، وہ آپس ہی میں چلنے لگی۔ اور نتیجہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ خدا کی پناہ۔ ان میں واقعہ کربلا تو اتنا دردناک ہے کہ تاقیامت اسکی یاد فراموش نہیں کی جاسکتی۔ واقعہ کیا تھا کہ خاندان نبوت اور دودمان رسالت علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر قیامت خیز مظالم کی بوچھار تھی۔ ان ظالموں نے دعوی اسلام رکھتے ہوئے وہ کام کیا جو کفار وشیاطین سے بھی نہ ہو سکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون :۔

جس دن ہوگا اذا السماء انفطرت　　جس دم ہوگا اذا النجوم انکدرت
تب سیدۂ فاطمہ کریں گی فریاد　　اولادمری بای ذنب قتلت

لواستقاموا کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر یہ ہے کہ ابو الجن (ابلیس) عرصۂ دراز تک اللہ سبحانہ کی طاعت وعبادت میں لگا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ زمین کا کوئی چپہ نہ چھوڑا جہاں اس نے سجدے کے لئے اپنا سر نہ رکھا ہو۔ تا آنکہ کانٹے پر بھی سجدہ کیا

جس کی بدولت زمرۂ ملائکہ کیا تھا اس کو شامل کیا گیا۔ مگر حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کرکے راندۂ درگاہ ایزدی ہوا۔ اور امر ربانی کے مقابلہ میں اپنی رائے و قیاس سے معارضہ کرتا رہا۔ کہا جاتا ہے :۔ اوّل من قاس ابلیس ۔ (نص) حکم صریح کے مقابلہ میں جس نے سب سے اول قیاس کو پیش کیا وہ ابلیس ہی تھا" اس کی وجہ سے اس کی اولاد بھی برگشتہ ہوئی۔ اگر وہ پہلے کی طرح راہ حق پر قائم رہتا تو اس کی ذریت بھی برگشتہ نہ ہوتی اور ان کو حیات طیبہ نصیب ہوتی۔ اور اللہ سبحانہ کا فضل و کرم اس درجہ عائد حال ہوتا کہ دیکھنے والے ان پر بھی عش عش کرتے۔ یہ تفسیر بھی اپنی جگہ درست اور سیاق سے موزونیت رکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔

عذابا صعدا کی تفسیر یہ بیان تو طریق حق پر قائم رہنے والوں کا ہوا۔ خواہ یہاں جن و انس دونوں فریق مراد ہوں یا فقط جن، آگے ان لوگوں کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو ذکر الٰہی سے اعراض و روگردانی کرنے والے اور اس کے منکر ہیں۔ وَمَنۡ يُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهٖ يَسۡلُكۡهُ عَذَابًا صَعَدًا ۔ اور جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منکر و روگرداں ہوا تو وہ اس کو ڈال دیگا چڑھتے عذاب میں" بظاہر یہاں عذاب سے عذاب دنیا مراد ہے کیونکہ اس سے اوپر کی آیۂ کریمہ میں راہ حق پر قائم رہنے والوں سے لاسقیناھم ماء غدقا کا وعدہ فرمایا گیا ہے کہ ہم ان کو آب کثیر سے سیراب کریں گے

یعنی پانی برسا کر خیر و برکت دیں گے اور ہر طرح مالا مال کریں گے۔ یہ خیر و برکت دنیوی تھی تو اس کے مقابل جس عذاب کا بیان فرمایا جا رہا ہے وہ بھی دنیوی ہی ہونا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں:۔ کل مال اعطیتہ عبدا من عبادی قل او کثر لایطیعنی فیہ فلاخیر فیہ وھو الضنک فی المعیشۃ۔ (ابن ابی حاتم) یہ حدیث قدسی ہے۔ رب العزت جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کا ارشاد ہے کہ جو بھی مال میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو دیتا ہوں تھوڑا ہو یا بہت، اور وہ اس کو لیکر میرا تابع فرمان نہیں رہتا تو اس مال میں اس کو کوئی خیر و برکت نصیب نہیں ہوتی۔ یہی معیشت کی تنگی ہے۔“ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:۔ تسلبہ القناعۃ حتی لایشبع۔ قناعت کی صفت اس سے سلب ہو جاتی ہے۔ (وہ خوب کھاتا جاتا ہے) لیکن اس کو کبھی سیری نصیب نہیں ہوتی۔“

عہد حاضر پر ایک نظر فی زماننا اقوام عالم پر نظر کیجئے کہ ہزاروں لاکھوں کروڑوں، اربوں روپیہ بے غل و غش جس طرح بھی بن پڑے گھسیٹ رہے ہیں۔ با ایں ہمہ ان کی حرص و آز کے دانت تیز ہی رہتے ہیں۔ کسی نوبت پر بس کہنے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ جب دیکھو روپیہ کمانے، جتن کرنے کی فکر دامنگیر ہے۔ آپس میں حسد و بغض اس درجہ ترقی کیا ہوا ہے کہ اگر بس چلے تو دوسروں کو

کھا جائیں۔ غور کیجئے کہ یہ چڑھتا ہوا عذاب صعد نہیں تو اور کیا ہے کہ دولت جیسی جیسی بڑھتی جاتی ہے آتش حسد و بغض چڑھتی جاتی ہے اطمینان و چین کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہ ساری نکبت ذکر اللہ سے اعراض کی نکبت ہے۔

صوفیائے کرام کا اسوہ حسنہ ان کے مقابل ایک گروہ اہل الذکر صوفیائے کرام کا ہے کہ بیچارے کیا کماتے کیا کھاتے، کیا پہنتے، کہاں رہتے اور کس طرح خاموش زندگی گزار رہے ہیں مگر کوئی لمحہ یاد الٰہی سے خالی نہیں۔ حلال طریقہ سے کچھ حاصل ہوا تو تنہا خوری سے کام نہ لیا۔ بلکہ عالی ہمتی سے فقرا و مساکین کو شریک حال بنا لیا۔ ؎

نیم نانے گر خورد مرد خدا   بذل درویشاں کند نیمے دگر

اور اگر کبھی کچھ میسر نہ ہوا تو دن کو روزہ رکھا یا رات کو نہ ملا تو فاقہ۔ اور حمد و شکر میں وقت گزار دیا۔ نیز اس نایابی رزق کو اپنے گناہوں کا کفارہ تصور کیا۔ لیکن کسی حال، صبر و سکون، طمانینت قلب، شرح صدر، مخلوق سے استغنا اور خلق اللہ پر شفقت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ چور گھر میں گھس آیا۔ مگر اس کو کچھ نہ ملا تو چور کا خالی ہاتھ جانا تک گوارا نہ فرمایا۔ کمبل اتار کر پھینک دی جس کو لے کر وہ خوشی خوشی چلتا بنا۔ ؎

شنیدم کہ مردان راہِ خدا   دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف است جنگ

دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتا ہے عذابا صعدا سے عذاب قبر مراد ہو۔ جیسا کہ سورۃ طٰہ کی آیۂ کریمہ ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا کی تفسیر میں "عذاب قبر" کی صراحت بعض روایات میں موجود ہے۔ یا یہ کہ عذاب آخرت مراد ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی فرماتے ہیں :۔ صعد جبل فی النار کلما وضعوا ایدیھم علیه ذابت (روح المعانی) صعد نام کا دوزخ میں پہاڑ ہے (جس پر چڑھنے کے لئے اہل دوزخ کو حکم ہو گا۔) وہ اس پر چڑھنے کے لئے ہاتھ رکھتے ہی وہ گھلنا شروع کر دیگا" حضرت ابن عباس رض سے بھی اسی کے قریب ایک روایت آئی ہے۔ عکرمہ رض فرماتے ہیں :۔ ھو صخرة ملساء فی جھنم یکلف صعودھا فاذا انتھی الی اعلاھا حدر الی جھنم۔ صعود نام کی دوزخ میں ایک بلند چکنی چٹان ہے جس پر چڑھنے کے لئے دوزخیوں کو حکم ہو گا۔ جب وہ چڑھتے چڑھتے اس کی چوٹی تک پہنچ جائیں گے تو پھسل کر جہنم میں آ رہیں گے" العیاذ باللہ۔ یہ ہے سزا غافلوں کی اور اللہ کی یاد سے منہ موڑنے والے منکروں کی۔ خواہ وہ جن ہوں یا انس۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ اور یہ کہ مسجد 72-18

خاص اللہ (کی یاد) کے لئے ہیں لہذا نہ پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو"

ان المساجد للہ کی تفسیر یہود و نصاریٰ کی عادت تھی کہ جب وہ اپنی
عبادت گاہوں میں آتے تو مشرکانہ باتیں کرتے۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ
حضرت مسیحؑ کو اللہ سبحانہ کی عبادت میں شریک کرتے۔ جنات بھی ان کو دیکھ کر
مشرکانہ طور طریق اختیار کئے ہوئے تھے۔ قرآن کریم کی سماعت کے بعد ان کو
معلوم ہوا کہ یہ مشرکانہ طریقہ ہے۔ اب اس سے آگاہ ہو کر وہ اپنی قوم سے
کہہ رہے ہیں کہ مساجد اللہ سبحانہ کی مخلصانہ عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں۔
اس وقتِ خاص اور مقامِ خاص میں اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ سبحانہ کے ساتھ کسی کو
شریک عبادت کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ کے ساتھ اور کسی کے نام کو
عبادت کے لئے پکارنا ہرگز نہ چاہئے۔ یہ مسجد کا ادب ہوا اور عبادت کا صحیح طریقہ
دوسری تفسیر دوسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ تمام روئے زمین "مسجد" ہے۔
حدیث شریف ہے:۔ جعلت لی الارض مسجداً و طھوراً۔ حضور انور صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پوری زمین خصوصیت کے ساتھ میرے لئے (جس میں
آپ کی امتِ مرحومہ بھی داخل ہے) سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔
چنانچہ اس اعتبار سے مسلمان، اپنے خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کے لئے کسی
خاص عبادت گاہ کا محتاج نہیں رہا۔ جیسا کہ دیگر اقوام خود کو محتاج کلیسا و مندر

و بت خانہ وغیرہ سمجھی ہوئی ہیں۔ مسلمان جہاں کہیں ہو وقت آتے ہی اسی جگہ نماز ادا کرسکتا ہے۔ نیز وہ وضو وغسل کے لئے پانی کا محتاج نہیں۔ اگر عبادت کا وقت آن پہنچا اور وہاں نہ کوئی مسجد ہے اور نہ طہارت کا پانی جس سے وضو، غسل کرسکے، تو وہ پاک مٹی پر بہ نیت تیمم دونوں ہاتھ مار کر اپنے ہاتھ منہ پر مل لیتا ہے۔ پھر دونوں ہاتھ مار کر اپنے دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مل لیتا ہے۔ اب وہ وضو وغسل کی نجاست حکمی سے پاک ہوگیا لہذا یہ مکلف وہیں پر نماز ادا کرسکتا ہے۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ تمام روئے زمین ادائے عبادت کا محل (مسجد) ہے۔ لہٰذا زمین کے کسی گوشہ میں بھی اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ یہ تفسیر، سابقہ تفسیر سے بھی بلیغ تر ہے۔

شانِ نزول اعمش کہتے ہیں:۔ قالت الجن یا رسول اللہ ائذن لنا فنشھد معک الصلوات فی مسجدک فانزل اللہ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا یقول صلوا لا تخالطوا الناس (ابن ابی حاتم) جنوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں اجازت ہو تو آپ کی مسجد شریف میں آپ کے ساتھ نمازوں میں حاضر رہا کریں۔ تو اللہ سبحانہ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی کہ تمام مساجد (روئے زمین) اللہ کی ہے ہاں! اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پکارا کریں جسمیں حکم ہو رہا ہے کہ (جہاں وقت آئے) نماز پڑھ لیا کریں۔ انسانوں کیساتھ خلط ملط نکریں۔" حضرت سعید بن جبیرؒ سے بھی ایک روایت ہے جس سے اسکی تائید ہوتی ہے جو تفسیر ابن جریر میں مسطور ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری تفسیر | تیسری تفسیر یوں ہے کہ "مساجد" سے اعضائے سجود مراد ہیں۔
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم علی الجبھۃ والیدین والرکبتین واطراف القدمین ولا نکفت الثیاب ولا الشعر۔
مجھے حکم ہوا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کیا کروں۔ پیشانی[1] دونوں ہاتھوں[2و3] دونوں گھٹنوں[4و5] اور دونوں پاؤں[6و7] کے کناروں پر۔ نیز یہ کہ کپڑوں کو نہ سمیٹ لیں اور نہ بالوں کو"۔ چنانچہ سجدے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان سات اعضا پر سجدہ کیا جائے۔ اور یہ اعضا درحقیقت اسی مقصد خاص (اللہ سبحانہ کے سجدے) کے لئے بنائے گئے ہیں۔ لہذا اور کسی کے آگے یہ اعضا جھک نہیں سکتے۔

فان سجدنا الیك نسجد وان سعینا الیك نسعیٰ

بارالٰہا! اگر ہم سجدہ ریز ہوں گے تو مخصوص طور پر آپ ہی کے لئے۔ اور اگر ہماری دوڑ کہیں ہوگی تو آپ ہی کی طرف"۔

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ 72-19

لِبَدًا ؏ اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ کہ اس کو پکارے لوگوں کا بندھنے لگتا ہے اُس پر تانتا"۔

لِبَدًا کی تفسیر لِبَدًا جمع ہے لِبَدَۃٌ کی۔ اس کے معنی ہیں الجماعات بعضھا فوق بعض۔ جماعتیں اور ٹکڑیاں ایک پر ایک گرنے والی" حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ بھی اطلاع دی جا رہی ہے کہ جب عبد اللہ یعنی اللہ کا عبد کامل (ذات اقدس حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات وازکی التسلیمات) اس کی عبادت کے سلسلہ میں اس کے حضور میں کھڑے اس کی یاد کر رہے اور اس سے مخاطب ہیں، راز و نیاز ہو رہے ہیں، دعا فرماتے جا رہے ہیں تو جن و انس آپ پر ہجوم کرتے اور ایک دوسرے پر گرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ نماز جب بیت اللہ شریف کے پاس ادا ہوتی تھی تو مسلمان آپ کے ساتھ شریک نماز ہوتے جاتے اور کفار و مشرکین تماشائی بن کر ہر طرف سے اس منظر خاص کا نظارہ کرتے رہتے تھے اور آپکی مخالفت کی تدبیریں سوچتے تھے۔ اور آج جب کہ آپ سوق عکاظ کو تشریف لیجاتے ہوئے مقام نخلہ میں نماز فجر ادا فرما رہے تھے تو جنات کا بھی یہی حال تھا۔ سات یا نو کی تعداد نے آپ کو بحالت نماز پا لیا تو روئے زمین میں پھیلے ہوئے جنات کو آواز دی کہ تم کو جس امر کی تلاش ہے وہ اور کہیں نہیں ہے بلکہ یہاں ہے۔ یہ سنتے ہی ہزاروں جن وادی نخلہ میں پہنچ گئے اور یہ خاص منظر دیکھنے کے لئے

ایک پر ایک ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہ از راہ تعجب تھا مقصدِ اجتماع جدا سہی مگر منظر قابل دید سب میں بہتر اور افضل تر وہ جو شریک حال ہو جائیں۔ واللہ الموفق۔

عبداللہ کی تفسیر یہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیگر القاب (نبی، رسول، خاتم النبیین، سید الرسل وغیرہ) یا دیگر اسمائے شریفہ (محمد، احمد، حامد، محمود وغیرہ) سے یاد نہ کر کے عبداللہ کے لقب خاص سے یاد فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ مقام عبدیت مدارج کمال کا اعلیٰ ترین درجہ اور مرتبہ ہے کہ اس سے بڑھکر انسانیت کا کوئی درجہ متصور نہیں ہو سکتا۔ نیز اس نادر واقعہ کا اعلان حضور انور روحی فداہ کی زبان فیض ترجمان سے کرانا منظور ہے تو کمال تواضع و انکسار اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو عبداللہ کے موزوں و محمود لقب سے معروف و مشتہر فرمائیں۔ معراج شریف کے موقع پر اللہ سبحانہ نے اسریٰ بعبدہ کے مبارک لقب سے یاد فرمایا تھا۔ مگر وہاں ضمیر کے ساتھ عبدہ ارشاد ہوا تھا ضمیر مبہمات سے ہے۔ موقع و محل کے لحاظ سے وہاں ضمیر ہی مناسب تر تھی۔ یہاں اعلان کے موقع پر عبداللہ بصراحت تلقین فرمایا گیا اس کا لطف اہل لسان اور علمائے ربانیین سے پوشیدہ نہیں کہ اس سے بڑھکر بلاغت نہیں ہو سکتی۔ سبحان اللہ۔

حضرت قتادہ کی تفسیر حضرت قتادہ رضی فرماتے ہیں:- لما قام نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تلبدت الانس والجن علی ھذا الامر لیطفوہ فابی اللہ الا ان ینصرہ ویظہرہ علی من ناواہ۔ (عبدالرزاق عبدبن حمید ابن المنذر) جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے (اور تلاوت شروع فرماتے) ہیں تو انس وجن آپ پر ہجوم کرتے اور ٹوٹ پڑنا چاہتے ہیں تاکہ جو نور اسلام آپ کے ساتھ ہے اس کو بجھادیں۔ ادھر اللہ سبحانہٗ کی مشیت یہ ہے کہ وہ ان کے مقابلہ میں آپ کی نصرت فرماتا رہے اور تمام مخالفین پر آپ کو برتری دے اور آپ کی پشت پناہی فرماتا رہے"۔ چنانچہ یہی ہوا اور ہوتا رہیگا۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ وَلَاۤ اُشۡرِکُ بِہٖۤ اَحَدًا ۝ 72-20 آپ کہیے کہ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو"۔

کفار انس وجن سے خطاب نماز اور قرأت قرآن کریم کے موقع پر کفار و مشرکین کا ہجوم ہو یا جنات کا اژدحام کیوں ہوتا ہے نماز پڑھنے سے کفار کو کیوں ناراضی ہے اور جنات کے لئے تعجب کی کیا بات ہے؟ آپ فرمادیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا اس کی عبادت کرتا اور اسی کے آگے اپنی حاجات پیش کرتا ہوں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور نہ کسی کو حاجت روا جانتا ہوں۔ اس پر تم کو ناراضی کیوں ہے۔ خدائے واحد کی عبادت کی یا اس کے سامنے اپنی حاجات پیش کیں تو اس میں کس کا نقصان ہوا؟ جو خواہ مخواہ میرے خلاف

محاذ تیار کررہے ہو۔ توحید اور اس کی دعوت تو اچھی بات ہے اور یہی حق ہے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تم بھی میرے ساتھ اس دعا اور دعوت میں شریک ہوجاتے۔ ایسا نہ کرکے مخالفت کے کیا معنی؟۔

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ○ یہ بھی فرمادیجئے 72-21

کہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا نقصان اور نہ تم کو راہ راست پر لانا "

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب جمہور مفسرین نے یہاں ضرًّا کے بعد اس کی ضد نفعاً اور رشدًا کے بعد اس کی ضد غیّاً کو مقدر تسلیم کیا ہے گویا اس کو باب احتباك سے قرار دیا ہے جو علمائے بیان کے نزدیک حذف کلام کی ایک بہترین اور نہایت لطیف قسم ہے۔ ایسا حذف اس موقع پر کیا جاتا ہے جب کہ محذوف کا علم، مذکور کے ذریعہ خود بخود حاصل ہوتا ہو۔ چنانچہ یہی اصل یہاں کارفرما ہے کہ ضرّ یا ضرر سے اس کی ضد یعنی نفع اور رشد یا رُشد سے اس کا مخالف پہلو یعنی غیّ اس کے ساتھ بے تکلف ذہن میں آجاتا ہے۔ چنانچہ آیۃ الکرسی میں ہے:۔ قد تبیّن الرشد من الغیّ "بے شک ہدایت گمراہی سے جدا ہوچکی"

جب صورت حال یہ ہے کہ مخالف پہلو کا علم خود بخود اس کے سننے والے کو حاصل ہوتا ہے تو اس کو بیان کرکے کلام میں طوالت دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لئے

ایک کا ذکر کے دوسرے کو حذف کر دیا گیا جس سے اختصار کے علاوہ لطفِ کلام دو بالا ہو گیا۔

پھر رُشد (ہدایت) اور غَیّ (ضلالت) اسباب ہیں نفع و ضرر کے۔ ہدایت سے نفع حاصل ہوتا ہے اور ضلالت سے ضرر۔ تو نفع و ضرر مسبّب ہوئے جو اپنے اسباب کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ سبحانہ نے دو اسباب میں سے ایک اور دو مسببات میں سے ایک کا ذکر فرما کے دوسرے کو نظر انداز فرمایا ہے اس میں بھی جو لطف خاص ہے وہ ظاہر ہے۔ ان ہر دو اعتبارات سے کلام کی رفعت شان کی کوئی حد نہیں رہی۔

آیہ ۲۱ ملاک کی تفسیر بہر حال اس آیہ کریمہ کے ذریعہ یہ بتانا منظور ہے کہ اے نبی کریم! آپ فرما دیجئے کہ تمھارے نقصان پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے جیسا کہ کسی کو کوئی نفع پہنچانا میرے اختیار اور میرے ارادہ پر موقوف نہیں ہے۔ نیز تم میں سے کسی کو راہ راست پر لا کھڑا کر دینا اس طور سے کہ تم کبھی اس سے بھٹکنے نہ پاؤ، یہ بھی میرے اختیار سے باہر ہے۔ جیسا کہ تم میں سے کسی کو بھٹکا دینا کہ پھر کبھی راہ راست پر نہ آسکو یہ بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔ تمھارا ضرر اور نفع یا تمھاری ہدایت و ضلالت سب کچھ اللہ سبحانہ مالک و مختار کے اختیار اور ملک میں ہے۔ میں صرف رہنمائی

کردیتا ہوں کہ اس میں نفع ہے اور اس میں ضرر۔ نیز یہ کہ راہ ہدایت یہ ہے اور یہ راہ گمراہی۔ اس سے بڑھ کر
مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں، وہی میرا آقا جو ساری کائنات کا مالک ہے سب کچھ اسکی مرضی پاک پر منحصر ہے ولبس۔

72-22 قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ ۥ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ
72-23 مُلْتَحَدًا ۝ إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ آپ فرمادیجئے مجھ کو نہ بچا سکے گا

اللہ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں پناہ کی جگہ، مگر پہنچانا ہے اللہ کی
طرف سے اور اس کے پیغام لانے ہیں، اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے
رسول کا، تو اس کے لئے ہے آگ دوزخ کی رہیں اس میں ہمیشہ ۔

شان نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار کہتے تھے: ارجع
عن دینك فنحن نجيرك ۔ آپ اپنے دین سے پھر جائیے تو ہم آپ کو ہر طرح پناہ
دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ لیلۃ الجن میں جس وقت جنات کا
آپ پر ہجوم ہونے لگا تو ان کے افسر "وردان" نامی نے عرض کیا: الا ازحلهم
عنك یا رسول اللہ ! یارسول اللہ! کیا میں ان کو آپ کے پاس سے
نہ چلادوں؟ تو اللہ سبحانہ نے آیۂ کریمہ نازل فرمائی کہ آپ ان لوگوں سے
فرمائیے کہ (مجھے تمہاری کوئی حاجت نہیں) مجھے اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی پناہ

نہیں دے سکتا۔ اور نہ اس کو چھوڑ کر اور کہیں جائے پناہ ہے۔ میری پناہ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے تو وہ یہی کہ اللہ سبحانہ کے احکام اور اس کے پیام پہنچاتا رہوں۔ پیام یہی ہے کہ جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے۔ جس میں ان نافرمانوں کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِلَّا کا استثناء آیۂ ماقبل لا املک سے کیا جائے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں تمہارے نفع وضرر اور ہدایت وضلالت کا بالذات نہ مالک ہوں نہ مختار بجز اس کے کہ اللہ سبحانہ کے احکام اور اس کے پیامات جو میرے پاس آتے ہیں ان کو من وعن تم تک پہنچاتا رہوں اور اپنے تبلیغی فرض کو بس اس طرح پورا کرتا رہوں۔

آیہ لن یجیرنی کا ماحصل مطلب یہ کہ کوئی انسان ہو یا جن اس کو صرف اللہ سبحانہ کے ہاں پناہ مل سکتی ہے اس کو چھوڑ کر اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اللہ سبحانہ کی پناہ حاصل ہونے کا سیدھا صاف طریقہ یہ ہے کہ خدا و رسول کی اطاعت کریں۔ اطاعت سے منہ نہ موڑیں اگر اس کی خلاف ورزی کیجائے تو یاد رکھیں کہ دوزخ کی آگ دہک رہی ہے۔ نافرمانوں کو دوزخ میں جانا ہوگا جس میں وہ ابدالاباد تک رہیں گے۔ پھر اس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ موقع

حاصل ہے، اپنی نجات کی راہ ڈھونڈلو۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو کچھ ان سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کے مددگار کمزور ہیں اور گنتی میں تھوڑے ہیں۔ 72-24

وعدۂ الٰہی امتہ مرحومہ کیساتھ حق تعالیٰ شانہ نے فتح و نصرت کا وعدہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فرمایا تھا کفار اس کو باور نہ کرتے اور بار بار یہ کہے جاتے کہ مٹھی بھر مسلمان کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں جو وہ بھی تہی دست اور بے سروسامان ہیں۔ ان کے اس باطل تصور اور ناعاقبت اندیشانہ کلام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کفار آپ کو اور آپ کی مختصر جماعت متبعین کو اسی طرح کمزور اور قلیل العدد خیال کرتے رہیں تا آں کہ جس امر کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا وقت آجائے گا اور آپکی فتح و نصرت، باطل کی تمام قوتوں اور تمام افواج کے مقابلہ میں ہوتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب کہیں ان کو یقین ہوگا کہ کس فریق کے مددگار کمزور ہیں اور کن کی گنتی گھٹی ہوئی ہے؟ کفار جو چاہیں اس وقت بکواس کرتے رہیں وہ وقت سب کو معلوم ہو جائے گا۔

تکمیل وعدہ کا وقت رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ سے کیا مراد ہے؟ ہو سکتا ہے کہ

اس سے یوم بدر مراد لیا جائے جس میں ایک ہزار مسلح کفار کی فوج کے مقابلے میں (۳۱۳) نہتے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ یا یہ کہ موت کا وقت مراد لیا جائے کہ جب مرنے کا وقت آتا ہے تو فرشتۂ اجل کے آگے کسی کی کچھ نہیں چل سکتی۔ کسی کے ہاں کتنی ہی دولت ہو اور اس کے اعوان و انصار کتنے ہی زیادہ ہوں۔ کوئی چیز بھی اس وقت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ یا قیامت کا دن مراد ہو۔ **فقیر** کے نزدیک کسی وقت کی تخصیص کی حاجت نہیں مَا یُوْعَدُوْنَ عام ہے اس کو اپنے عموم پر ہی قائم رکھنا اولیٰ و انسب ہے۔ یعنی جو جو وعدے اللہ سبحانہ نے اپنے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم اور آپ کے متبعین کو دئے ہیں خواہ وہ یوم بدر ہو' یا یوم موت' یا یوم قیامت' ہر ہر وعدہ اپنے اپنے وقت پر پورا ہوتا ہوا ان کو نظر آئے گا تو ہر موقع پر کفار کو معلوم ہو تا جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور تھے اور کن کی گنتی کم تھی ؟ کفار کی یا مسلمانوں کی؟ سچ تو یہ ہے کہ فتح و کامرانی مطلوب ہے اور وہ کس کے نصیب میں ہے؟ معلوم ہو جائے گا۔

اللہ سبحانہ مسلمان کے دوست ہیں

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی نسبت فرمایا ہے:۔ اللہ ولیّ الذین آمنوا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست اور ان کا معین و مددگار اور کارساز ہے" اور کفار کی بابت فرمایا:۔ وانّ الکافرین لا مولیٰ لھم۔ اور جو کافر ہیں ان کا کوئی معین و مددگار اور

کارساز نہیں" ان ہر دو آیات کے ملانے کے بعد نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ ماضی کا یہی
حال رہا۔ اور مستقبل میں بھی یہی ہوگا۔ اور زمانۂ حال میں بھی یہی ہو رہا ہے کہ حق و باطل کی
کشمکش جاری ہے اور کامیابی حق کو حاصل ہو رہی ہے۔ **وللہ الحمد** مسلمانوں سے
صرف ایک ہی مطالبہ ہے کہ وہ حق پر قائم رہیں۔ حق کہیں۔ حق پر جئیں اور حق پر
مریں۔ قال تعالیٰ۔ وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنتُم مُّسْلِمُونَ۔ "تم کبھی نہ مرنا مگر اس
حال پر کہ تم حق کے فرماں بردار بنے رہو" حافظ شیراز فرماتے ہیں :-

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب　　تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

اقبال کہتے ہیں :-

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ 72-25
اَمَدًا ○ آپ کہیے میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس کا تم سے وعدہ ہوا ہے یا
کر دے اس کو میرا رب ایک مدت کے بعد"

کفار کا تمسخر اور ان کا جواب جب کفار نے یہ سنا کہ ان سے جو وعدہ دنیا میں
مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کو سزا دلانے کا یا قیامت میں ان کی عمر بھر کے افعال کا
حساب کر کے اس کی سزا تجویز کرنے کا کیا گیا ہے تو وہ ازراہ تمسخر پوچھنے لگے کہ اس

وعدے کی تکمیل آخر کب ہوگی؟ وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے
کہ آپ ہمیشہ ہم کو عذاب اور ساعت قیامت کا ڈر سناتے رہتے ہیں مگر وہ عذاب
یا ساعت کب آئیگی آیا وہ قریب ہے یا بعید؟ اس کا کچھ ذکر نہیں فرماتے تو اس کا
جواب دیا جارہا ہے کہ آپ ان سے فرمائیے کہ جو وعدہ تم سے کیا جارہا ہے وہ
نزدیک ہے یا اس کی اتنی مدت مقرر ہے مجھے معلوم نہیں۔ یہ علم الٰہی میں ہے جو چیز
علم الٰہی میں ہے اس کو میں کس طرح بتا سکتا ہوں؟ البتہ چونکہ اللہ سبحانہ نے وعدہ
فرمایا ہے اس لئے میں یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ وعدہ پورا ہوکر رہیگا۔
انّ اللہ لا یخلف المیعاد یہ یقینی ہے کہ اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں
فرماتا " انّ وعد اللہ حق۔ بے شک اللہ کا وعدہ حقیقت پر مبنی ہے۔
اللہ سبحانہ کا ہر وعدہ اپنے اپنے وقت پر پورا ہوکر رہیگا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی 72-26
مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ 72-27
لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی 72-28
كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۠ جاننے والا غیب کا پھر وہ نہیں خبر دیتا اپنے غیب کی
کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار

"تاکہ جانے کہ انھوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے' اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے

پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی "۔

آیۂ عالم الغیب کی تفسیر یعنی اللہ سبحانہ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر

کسی کو قابو نہیں دیتا' خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا انسان یا جن' کسی کی اس کے بھید تک

رسائی نہیں مگر رسولوں میں سے کسی کو بتانا پسند فرمائے تو اس بھید کے رسول تک پہنچانے کا

خاص اہتمام کیا جاتا ہے کہ ایک فرشتۂ خاص پر اس کا القاء کیا جاتا ہے اور اس

سربستہ راز کو رسول تک پہنچانے کے لئے اس کے آگے اور پیچھے سے (ہر جہت سے)

چوکیدار مقرر کئے جاتے ہیں اور وہ فرشتۂ خاص' ان چوکیداروں کے جلو میں سربستہ

راز کو لیکر رسول تک پہنچا دیتا ہے۔ اس اثناء میں جنات یا شیاطین آجاتے ہیں تو

ان کو مار کر ہٹا دیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ سربستہ راز رسول تک بے کم و کاست'

من وعن' پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس اہتمام کی بدولت' لانے والے فرشتوں' راہ میں

ملنے والے جنات اور شیاطین' اور خود رسول بلکہ رب العزت جل جلالہ کو بھی کھلے بندوں

صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان فرشتوں نے اپنے رب کے پیامات' ان رسول کے

ہاں جوں کے توں' پہنچا دئے اور رسول نے ان اسرار نہانی پر فرشتوں کے ذریعہ سے

پوری طرح آگاہی حاصل فرمالی اور اللہ سبحانہ کے ہاں تو ہر چیز کی گنتی ہے"۔ بارش کے

قطرے، درختوں کے پتے، پہاڑوں کا ثقل، اور سمندروں کی سمائی، آفتاب سے چمکنے والے اور رات میں چھپ جانے والے تمام کائنات کا تفصیلی علم اللہ سبحانہ کو بالذات حاصل ہے۔ یہ شان اور کسی کے علم کی نہیں ہو سکتی نہ کسی بشر کی نہ کسی جن کی اور نہ کسی فرشتے کی اور نہ کسی مخلوق کی۔ سبحان من علیم خبیر۔

وحی الٰہی کی عظمت شان حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ما انزل اللہ علی نبیہ آیۃ من القرآن الا ومعھا اربعۃ من الاملاک یحفظونھا حتی یؤدونھا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قرأ عالم الغیب (ابن مردویہ) اللہ سبحانہ نے اپنے نبی مکرمؐ پر قرآن کریم کی جو کوئی آیت نازل فرمائی تو اس کے ساتھ چار محافظ فرشتے ضرور رہا کرتے تاکہ وہ اس آیۃ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیں۔ پھر اس کے ثبوت میں یہی آیہ کریمہ عالم الغیب تلاوت فرمائی۔" حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں:۔ اربعۃ حفظۃ من الملائکۃ مع جبرئیل لیعلم محمد ان قد ابلغوا رسالات ربھم۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ چار محافظ فرشتے ہوا کرتے تھے تاکہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے سب اپنے پروردگار کے پیامات پہنچا دئے۔" پھر یہ بھی فرمایا:۔ وما جاء جبریل الا ومعہ

اربعۃ من الملائکۃ حفظۃ ۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم ابو الشیخ) اور جبرئیل علیہ السلام جب کبھی حاضر ہوئے ضرور ان کے ساتھ چار محافظ فرشتے ہوا کرتے تھے " حضرت ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں: ۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث الیہ الملک بالوحی بعث معہ نفر من الملائکۃ یحرسونہ من بین یدیہ ومن خلفہ ان یتشبہ الشیطان علی صورۃ الملک ۔ (عبد بن حمید ابن جریر) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب فرشتہ (جبرئیل) وحی لیجانے کو بھیجے جاتے تو ان کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت بھیجی جاتی تھی جو اس وحی یا فرشتہ کے آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے رہتے تھے اس اندیشہ سے کہ شیطان فرشتے کی صورت میں آکر دھوکہ نہ دے سکے " اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ محافظ فرشتے صرف چار نہیں بلکہ ان کی خاصی تعداد ہوتی تھی جو چاروں سمت آگے پیچھے داہنے بائیں سے وحی کی حفاظت کرتی رہتی تھی ۔ اور دیگر روایات میں چار سے چاروں سمت مراد لی جا سکتی ہیں جس سے تمام روایات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے ۔

بیان صدر کی تائید اس توجیہ کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے ۔ مثلاً سورۂ انعام کے باب میں ہے ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارشاد فرمایا:۔ نزلت علی سورة الانعام جملة واحدة يشيعها سبعون الف ملك لهم زجل بالتسبيح والتحميد۔ (طبرانی، ابن مردویہ) سورۂ انعام مجھ پر تمام کا تمام ایک دم اترا جس کے جلو میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ ان کی تسبیح و تحمید سے ساری فضا گونج رہی تھی۔" حضرت انسؓ کی روایت میں ہے :۔ نزلت علی سورة الانعام ومعها موكب من الملائكة يسد ما بين الخافقين لهم زجل بالتسبيح والتقديس والارض ترتج ورسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سبحان الله العظيم سبحان الله العظيم۔ (طبرانی، ابو الشیخ، ابن مردویہ، بیہقی، سلفی) سورۂ انعام نازل ہوا تو اس کے ساتھ فرشتوں کا ایک جلوس تھا جو مشرق سے مغرب اور زمین سے آسمان تک کی فضا کو گھیرا ہوا تھا ان کی تسبیح و تقدیس کی آوازیں گونج رہی تھیں اور زمین (ان کی کثرت سے) کپکپا رہی تھی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورد زبان سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ العظیم کی تسبیحات تھیں۔" آیۃ الکرسی اور بعض دیگر آیات وسور کے باب میں بھی ایسی ہی روایات آئی ہیں جن سے ایک دوسرے کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ اس اہتمام میں کلام منزّل کی عظمت شان کے علاوہ بہت ساری حکمتیں ہیں۔

پیغمبروں کا غیب میں حصہ بہر حال اس آیہ کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ

عالم الغیب مطلقاً اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات قدسی صفات ہے جس کا علم اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ ہاں ممتاز و منتخب پیغمبروں کو اس کی اطلاع کرا دیجاتی ہے۔ خواہ فرشتہ بھیجکر یا بلاواسطہ بطریق وحی یا الہام یا القاء۔ خواہ بحالت خواب یا بیداری خواہ منصب رسالت سے اس کو تعلق ہو یا نہ ہو۔ اس سے زیادت فضل و تشریف مقصود ہوتی ہے کیونکہ علم صفت فضل و کمال ہے۔ جتنا علم زیادہ ہوگا فضل و کمال بھی زائد ہوگا۔ حضور اکرم ارواحنا لہ الفداء کی شان مبارک میں ارشاد ہوا۔ وکان فضل اللہ علیك عظیما۔ اللہ سبحانہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے'' یہ بھی فرمایا وعلمك مالم تکن تعلم۔ آپ جو نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کے علم میں لایا'' جس میں علم ماکان ومایکون سب کچھ داخل ہے۔ چنانچہ آپ نے آفرینش عالم کے بیشتر سے لیکر قیامت اور اس کے مابعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی صراحۃً، کنایۃً اشارۃً بموجب اقتضائے حال و مقام اطلاع فرمائی۔ جن سے احادیث شریفہ مالامال ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کی بعثت امور مغیبہ کی اطلاع دینے کیلئے ہی ہوتی ہے۔ دوسرے پیغمبران علیہم الصلاۃ والسلام کو اس جنس سے جو بہرہ ملا حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو آپ کی منزلت عظمیٰ کے مطابق اس کے مجموعہ سے کہیں زیادہ ہی بہرۂ وافر حاصل ہوا اگرچہ جو کچھ تھا اللہ سبحانہ تعالیٰ کے

اعلام و اطلاع سے تھا اور علم الٰہی کے بحر ناپیدا کنار کے مقابلہ میں جرعہ۔

اولیاء اللہ کا غیب میں حصہ پھر اس علم سے پیغمبروں کے طفیل اور ذریعہ سے یا اللہ سبحانہ کے فضل سے اس کے مخلص بندوں اولیائے کاملین علمائے ربانیین کو بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ حسب استعداد و عنایت ربانی حصہ ملتا ہے جو علوم انبیاء علیہم السلام کے جُرعہ کے مقابلہ میں قطرہ ہوتا ہے۔ یہ علم پیغمبروں کا معجزہ تھا تو اولیاء اللہ کی کرامت ہوتی ہے۔ اور علم عقائد کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ ولی اللہ کی ہر کرامت ان کے مقتدی نبی اللہ و رسول اللہ کا معجزہ ہے۔ اس طرح اولیاء اللہ کی کرامتوں کے ذریعہ ان کے نبی مقتدا کے معجزات ان کے اس جہاں سے پردہ فرمالینے کے بعد بھی ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ نیز دوسرا فرق علوم انبیاء و اولیا میں یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے علوم قطعی اور یقینی ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کے ظنی۔

سابقہ شرائع کی تنسیخ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اب دوسرے پیغمبران علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں صرف حضور اکرم خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شریعت مطہرہ کا حکم باقی ہے جو تا قیامت باقی رہیگا۔ لہٰذا آپ کی بعثت شریفہ کے بعد سے جس قدر اولیاء اللہ ہوں گے وہ امتہ مرحومہ ہی سے ہوں گے۔ اور انہیں کے فیوض و برکات تا قیام قیامت جاری رہیں گے۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

جنات اور شیاطین جو ملائکہ کرام کی کوئی بات چوری سے سن پاتے اور اس کو
کاہنوں تک پہنچا دیا کرتے تھے جس کے بعد کاہن اس میں تک بندی کر کے بات کا
بتنگڑ بنا لیا کرتے اور خود کو غیب داں مشہور کر رکھا تھا۔ یہ سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے۔
اسی طرح جنات بھی اپنے کو غیب جاننے والا سمجھتے تھے اور کفار و مشرکین کا خیال بھی
ان کی نسبت یہی تھا اس کا قلع قمع تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد ہی میں ہو چکا
جبکہ آپ عصا پر ٹیک لگائے سامنے کھڑے ہوئے دن رات، بیت المقدس کی تعمیر کا
کام جنات سے لیا کرتے تھے اور اسی حالت میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اور جسد شریف
عصا کے سہارے عرصہ دراز تک قائم رہا جس سے بظاہر جنات یہی سمجھتے رہے کہ
آپ بدستور تعمیر کی نگرانی فرما رہے ہیں تا آں کہ اس عصا کو دیمک کھا گئی اور آپ
زمین پر آ رہے تب کہیں جنات کا پول کھل گیا کہ اگر یہ غیب داں ہوتے تو اتنے
عرصے تک رات دن محنت میں نہ لگے رہتے جو ان کے حق میں ایک ذلت آمیز
عذاب تھا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ فلما خر تبینت الجن ان
لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین۔

استدلال یا تجربہ غیب نہیں | رہا استدلال یا تجربہ کی بنا پر کسی امر کی پیشگوئی

جیسا کہ ابر آنے پر یہ کہہ دینا کہ بارش ہوگی یا اطبا کا یہ کہنا کہ بخار اتنے دن میں اتر جائیگا وغیرہ۔ اول تو یہ یقینی نہیں۔ دوم یہ کہ اس کو غیب دانی سے تعلق نہیں۔ یہ استدلال یا تجربہ ہے۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں کے کام اسباب وعلل سے مربوط ہیں۔ سبب کے ساتھ مسبب اور علت کے ساتھ معلول کا وجود میں آنا معلوم بات ہے۔ یہ بھی منجانب اللہ ہے۔ اس کو غیب دانی نہیں کہتے۔ وباللہ التوفیق

وصلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد المبعوث الی کافۃ الانس والجن وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ واتباعھم باحسان الی یوم الدین والحمد للہ رب العلمین۔

سورہ جن کی تفسیر ختم ہوئی۔ جمعہ ۲۷ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ